پروفیسر سید محمد سلیم

سائبیریا کا عظیم مبلغ: عبدالرشید ابراہیم

جس زمانہ میں روس میں زار شاہی اقتدار عروج پر تھا، مملکت کے مسلمان باشندے سخت مصائب اور تکالیف میں مبتلا تھے۔ اسی زمانہ میں سائبیریا کے ایک شہر "تارا" میں شیخ عبدالرشید ابراہیم ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علم دین کے خاندان کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا۔ ابتدائی دینی تعلیم بچپن میں گھر میں ہی حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے حجاز مقدّس پہنچ گئے۔ اسلام کے سرچشمہ مکّہ اور مدینہ میں رہ کر وہاں کے اساتذہ سے علوم دینی کی تکمیل کی۔ بیس سال حجازِ مقدّس کے سرچشمہ ہدایت میں گزارے پھر وہاں سے واپس وطن لوٹ آئے۔

یہاں چند سال میں ہی ان کے علوم و فضائل کی شہرت دُور دُور کے علاقوں میں پہنچ گئی۔ حکومت نے بھی ان کے علم سے استفادہ کرنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ ان کا بحیثیت قاضی تقرر ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد وکیل افتاء مقرر ہو گئے۔ شیخ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اعلیٰ مناصب تک پہنچنے کے بعد راحت اور آرام کی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ شیخ نے اشاعت دین اور اصلاح معاشرہ کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ اس سلسلہ میں وہ حکومت وقت پر تنقید کرنے سے بھی باز نہیں رہتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرنے پر وہ حکومت پر تنقید کرتے رہتے تھے۔ شیخ کی اس روش سے حکومت نالاں ہو گئی اور ان کے گرد جال بننا شروع کر دیا۔ شیخ کو بھی بھنک پڑ گئی۔ قبل اس کے کہ حکومت ان پر ہاتھ ڈالے شیخ فرار ہو کر قسطنطنیہ (خلافت عثمانیہ) جا پہنچے۔ وہاں جا کر شیخ نے اپنے وطن کے حالات سے متعلق اخبارات اور رسائل میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ حکومت عثمانیہ میں ان کو مناصب پیش کیے گئے مگر انہوں نے قبول نہیں کیے۔ حالات جب ٹھنڈے پڑ گئے تو وہ پھر وطن واپس آ گئے۔

وطن میں آ کر شیخ نے پھر سے اشاعت دین اور اصلاح معاشرہ کا کام نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ شروع کر دیا۔ مختلف مجلّات اور جرائد کے اجراء کے لیے انہوں نے حکومت سے اجازت حاصل کی۔ ترکی اور قازانی زبانوں میں ان کی زیر ادارت شائع ہونے والے مختلف جرائد "عورت"، "صدائے بلند" اور

"الفت" وغیرہ پورے عالم اتراک میں دور دور تک پہنچنے اور پڑھے جانے لگے۔ نتیجتاً پڑھا لکھا طبقہ شیخ کی طرف متوجہ ہو گیا، شیخ کے اصلاحی افکار کی اشاعت ہونے لگی، نظام کے خلاف آواز بلند ہونے لگی اور قوم میں بیداری پیدا ہونے لگی۔ انہوں نے عربی زبان میں بھی "تلمیذ" کے نام سے ایک رسالہ نکالا تاکہ اہلِ عرب ترکوں کے حالات سے باخبر ہوں۔

اس زمانہ (۱۹۰۵ء) میں روس نے جاپان سے ہزیمت اٹھائی۔ اس کا زار پر بہت گہرا اثر ہوا۔ اس کی توجہ مسلمانوں کی جانب سے ہٹ گئی۔ چنانچہ مسلمانوں میں بیداری کی لہر تیز تر ہو گئی۔ رسالوں، کتابوں کی اشاعت عام ہونے لگی۔

نسبتاً رواداری کے اس دور میں شیخ کے اندر تبلیغِ اسلام کا جذبہ زیادہ قوی ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۰۵ء کے بعد سے وہ مسلسل سفر پر رہے۔ ترکستان، منچوریا، منگولیا، جاپان، کوریا، چین، سنگاپور، جزائر انڈونیشیا میں وہ سفر کرتے رہے تاکہ لوگوں کو بتائیں کہ اسلام ہی وہ مکمل ضابطۂ حیات اور مذہب ہے جو آزادی، مساوات، اور اخوت کی دعوت دیتا ہے۔ اس تبلیغ و سیاحت کی راہ میں شیخ کو سخت مشکلات و مصائب سے سابقہ پیش آیا۔ جو کام انجمن اور جمعیت کو کرنا چاہیے وہ کام ایک فردِ واحد کر رہا تھا، جس کے پاس نہایت محدود وسائل تھے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ایسے طریقے سے امداد فرماتا ہے جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ ان کی تبلیغی سرگرمی سے یورپ کی مشنری انجمنیں بہت نالاں تھیں۔ انہوں نے اپنے مراسلوں میں شیخ کی بہت شکایت کی ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ اسلام کی بنیادی دعوت بہت بڑا ہتھیار ہے۔ اس میں غیر معمولی کشش ہے۔ داعیِ اسلام کو کسی بیرونی یا خارجی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کوششوں کے نتیجے میں شیخ نے ہزاروں انسانوں تک اسلام کی نعمت پہنچائی۔

اپنے دعوتی تجربات اور طویل سفروں کے حالات شیخ نے اپنی ایک کتاب "عالمِ اسلام" میں لکھے ہیں، جو عربی زبان میں ہے اور دو جلدوں میں ہے۔ مزید براں دور دراز خطوں میں طویل تبلیغی مراسلے لکھ کر ترکی کے رسائل میں اشاعت کے لیے بھیجتے تھے۔ "معلومات" اور "صراطِ مستقیم" میں وہ شائع ہوتے تھے۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ جنگ طرابلس ۱۹۱۲ء کے موقع پر شیخ نے منبر و محراب اور قلم و دوات کی طویل مصاحبت چھوڑ کر تلوار ہاتھ میں لے لی۔ تمام مشاغل چھوڑ کر وہ طرابلس جا پہنچے اور اطالوی سامراج کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔ جنگ عظیم اوّل میں بھی وہ ایک مجاہد کی حیثیت سے خلافت عثمانیہ کی جانب سے قفقاز کے محاذ پر لڑتے رہے جہاں آخر کار اُن کو قیدی بنا لیا گیا۔ مسلمان اسیروں کے ساتھ وہ جرمنی میں رہے۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد انہوں نے سلسلہ تبلیغ و دعوت پھر سے شروع کر لیا اور جاپان پہنچ گئے۔ پیرانہ سالی میں بھی ان کی جدوجہد اور محنت و مشقت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جاپان میں انہوں نے

ہزاروں انسانوں کو اسلام سے متعارف کرایا۔ بہت سوں نے اسلام کی نعمت قبول کرلی۔ جاپان میں انہوں نے دو مسجدیں بھی تعمیر کرائیں۔

۱۹۳۹ء میں جاپان کی پارلیمنٹ نے تسلیم کیا کہ مملکت میں دو مذہب ہیں، ایک بدھ مت دوسرا مسیحیت۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ اسلام بھی یہاں مذہب ہے۔ تین دن تک حکومت کے اس اقدام پر مسلسل احتجاجات ہوئے، بالآخر وزیر معارف نے اسلام کو بھی بطور مذہب تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ اس پر وہاں کے مسلمانوں نے بڑی خوشیاں منائیں، مٹھائی تقسیم کی۔ اس مہم کے پس پردہ شیخ کا ہاتھ تھا۔

جاپان میں ان کے دینی مشاغل کا ایک شخص نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

"مسجد السلام ٹوکیو میں عجیب منظر دیکھا۔ ایک شخص ۹۰ سال کی عمر میں ہے۔ طلوع آفتاب سے بہت قبل بیدار ہوتا ہے، تہجد کی نماز ادا کرتا ہے۔ پھر فجر کی نماز کی امامت کراتا ہے۔ ذکر اذکار سے فارغ ہونے کے بعد عام طلبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ان کو قرآن مجید کی تفسیر پڑھاتا ہے، اور احادیث رسول کی تشریح بیان کرتا ہے اور معانی اور مفہوم سمجھاتا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد وہ کمرہ تدریس میں چلا جاتا ہے، جو مسجد سے متصل ہے۔ وہاں مسلمان بچوں کی باقاعدہ تعلیم و تدریس شروع ہوجاتی ہے۔ کسی کا سبق سنتا ہے۔ عربی کی تعلیم دیتا ہے۔ بعض کو قرآن مجید کی سورتیں یاد کراتا ہے۔ بعض پارہ عم یاد کرتے ہیں۔ بعض دعائے عاشورہ یاد کرتے ہیں۔ بعض کو تختی لکھ کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ مشق کریں۔ پیرانہ سالی کے باوجود یہ سارے کام وہ تنہا کرتا ہے"۔

وہ اپنے زمانہ میں عرب دنیا اور خلافت عثمانیہ میں متعارف تھے۔ اہل علم ان کے کارناموں سے بخوبی واقف تھے۔ ڈاکٹر محمد رجب بیومی لکھتے ہیں کہ میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا۔ ان کی تقریر کا موضوع "دور جدید کے عظیم داعی" تھا۔ وہ شیخ عبدالرشید ابراہیم کا ذکر کر رہے تھے۔

> "عجیب بات ہے شیخ عبدالرشید نے اپنی سیاحت پر "عالم اسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کی اشاعت کا کوئی اہتمام نہیں ہوا۔ بہرکیف یہ مکتبوں پر پہنچ گئی۔ اس میں انہوں نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات بیان کیے ہیں جو ان کو مختلف ملکوں میں پیش آئے۔ ملائیشیا، یورپ، افریقہ کے مسلمانوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ ان کے امراض بیان کیے ہیں۔ علامہ شکیب ارسلان نے اس کتاب کا تعارف کرایا۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی مختلف اشاعتیں نکل چکی ہیں۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں کیا ہے؟ وہ مختلف ملکوں کی سیر کرتا ہے، شادیاں کرتا ہے اور بڑے مزے اڑاتا ہے۔ خرافات بیان کرتا ہے۔ اور جدید دور کا سیاح عبدالرشید بحروبر میں اس لیے سفر کرتا ہے تاکہ

اللہ کا کلمہ بلند ہو۔اس راستہ میں محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ مگر اس کی اس للہ وفی اللہ سیاحت کی روئیداد "عالم اسلام" کے لیے انتہائی مفید ہونے کے باوجود اس کی دو اشاعتیں بھی نہیں نکلیں"۔

ان کی ہم عصر ایک عظیم شخصیت جمال الدین افغانی کی ہے۔ ایک صاحب نے دونوں شخصیتوں کا موازنہ کیا ہے۔ "ان دونوں بزرگوں میں بڑا فرق ہے۔ جمال الدین افغانی کے اندر ہمیشہ ایک انقلابی روح مضطرب رہتی تھی۔ وہ ملکوں ملکوں گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں بھی مسلمانوں کی زبوں حالی، اور بدحالی نظر آتی تھی، اس کو دیکھ کر وہ مضطرب ہوجاتے۔ پھر اس کو رفع کرنے کے لیے بے تاب ہوجاتے تھے۔ اور اس کے خلاف دلوں میں فکر کی آگ روشن کردیتے تھے۔ وہ جلد سے جلد انقلاب لانا چاہتے تھے۔ وہ شاگردوں کے دلوں میں آگ کی بھٹی سلگا دیتے تھے اور خود وہاں سے آگے چل دیتے تھے۔ ان کے شاگرد انقلاب کی آگ روشن رکھتے تھے۔

اس کے برخلاف عبدالرشید ایک مجاہد تھے۔ وہ لوگوں کو حکمت و دانائی سے اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ وہ لکھتے تھے تو خاموشی کے ساتھ، وعظ کرتے تھے تو سکون کے ساتھ۔ مستقلاً سفر میں رہتے تھے۔ وہ گزرتے گزرتے ہر جگہ دعوت اسلام کا بیج کاشت کرتے جاتے تھے۔ ایک مدت کے بعد وہ برگ و بار لاتا تھا، پروان چڑھتا تھا۔ اللہ نے ان کے کاموں میں برکت دی۔ انہوں نے طویل عمر پائی اور اپنی کھیتی کو خود بھی لہلاتے دیکھنے کے لیے زندہ رہے۔"

بقیہ صفحہ ۱۶

"یوروایشین یونین" کے قیام سے متعلق بعض حلقوں کی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ازبک وزیر دفاع نے کہا "یوروایشین یونین کے قیام کی خوش کن تجویز وہ لوگ اور حلقے پیش کر رہے ہیں جو سابقہ مرکزیت پسند نظامِ حکومت اور سوویت عہد کے فرسودہ نظامِ قیادت کا احیاء چاہتے ہیں اور خطے کی اقوام کا مستقبل اپنے اناڑی اور غیر ہنرمند ہاتھوں میں لینا چاہتے ہیں"۔

دفاعی شعبے میں اصلاحات سے متعلق جنرل رستم احمدوف نے کہا "۱۹۹۵ء میں ازبکستان کی دفاعی پالیسی میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں گی۔ اصلاحات کے اس دوسرے مرحلے میں اچھے نتائج کے حصول کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں گی۔ جنرل رستم احمدوف کے مطابق ازبکستان کی مسلح افواج کے افسران میں ازبکوں کا تناسب ساٹھ فیصد ہوگیا ہے جبکہ شروع میں، ملک کی مسلح افواج کی تشکیل کے وقت، ازبک فوجی افسران کا تناسب صرف چھ فیصد تھا۔ (بشکریہ امپیکٹ انٹرنیشنل، لندن)